معاشرے کے ملعون طبقے کا عکاس۔۔۔اسد محمد خاں

طیبہ نگہت
Tayyaba Nighat
Assistant Professor, Department of Urdu,
Govt. College University for Women, Faisalabad.

Abstract:
"Asad Muhammad Khan is one of the most prominent Urdu fiction writers of the modern era. He has presented the true picture of the poverty, hunger, politics, conflicts among sects, historical events and the social issues of the modern era. He has raised his voice against the social injustices and the exploitation of women in his fiction. His fiction shows the real problems of their lives and the unequal behaviour of the society which was treated with them. Asad Muhammad Khan depicts how a woman becomes dead alive when she suffers at the hands of poverty and the bitter attitudes of the society."

اُردو افسانہ نگاری میں اسد محمد خاں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ان کے افسانے فکری وفنی عظمتوں کے آئینہ دار ہی نہیں بلکہ ان کے گہرے سماجی شعور کے بھی آئینہ دار ہیں۔اسد محمد خاں فعال تخلیقی شخصیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرے میں پھیلی سماجی کج روی، تاریخی واقعات، عہدِ حاضر کی کشمکش، طبقاتی تضادات، مفلسی اور معاشی نظاموں کے گھٹن کو حقیقی رنگ میں پیش کیا ہے۔عالمی ادب کی طرح اردو افسانہ میں بھی طوائف کو ایک زرخیز موضوع کی حیثیت حاصل رہی ہے۔طوائف کی ایک ایسی مظلوم ہستی ہے جو مرد کی بالادستی کا شکار ہے۔ معاشرہ اس کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔طوائف کی محرومیوں، معاشرتی ناانصافی، معاشی استحصال اور ناآسودگی کو بڑی خوبصورتی سے اردو افسانے میں سمیٹا گیا ہے۔

اسد محمد خاں نے بھی طوائف کی زندگی پر کہانیاں لکھیں جن کو بہت پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔اسد جب طوائف کے حوالے سے لکھتے ہیں وہ نہ تو مجرے کی محفلوں کا ذکر کرتے ہیں نہ بیڈ روم کے مناظر پیش کرتے ہیں بلکہ ان کی کہانیاں تو ایسی بے بس عورت کی کہانیاں ہیں جو اپنے نام

نہاد رکھوالوں کے ہاتھوں بے دردی سے استحصال کا شکار ہوتی ہیں۔ سید مظہر جمیل لکھتے ہیں:

''کوٹھے اسد محمد خاں کی بعض کہانیوں میں کھلتے ہیں۔ مگر نصیباں والیاں ..... ایک میٹھے دن کا انت دونوں جگہ فضا مختلف اور ماحول جدا جدا ہیں..... اسد محمد خاں کے کوٹھوں میں دھندا نہیں دکھائی دیتا یہ دھندہ کرنے والوں سے زیادہ دھندہ کرنے والوں کا جینا مرنا اٹھنا بیٹھنا ان کے میزازم اور طور طریقے دکھاتے ہیں۔''(۱)

اسد محمد خاں کی کہانیوں کے کردار کوٹھوں پر جنسی تلذذ کی خاطر نہیں جاتے بلکہ ان کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ طوائف کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ طوائف کے موضوع پر لکھنے والوں نے اس کے مختلف روپ دکھائے۔ نذیر احمد کے ناول میں ہریالی ایک ایسی طوائف ہے جو اپنی لیاقت، جامہ زیبی، قابلیت سے حسن پرست مردوں کو لبھانے کا طریقہ جانتی ہے۔ اسی قسم کے اوصاف پریم چند کے ناول ''بازارِ حسن'' کی سمن میں موجود رہیں۔ تاجران اور شرفاء چل کر اس آستانے کی دہلیز پر سجدہ نیاز ادا کرتے تھے۔ رسوا نے بھی ''اُمراؤ جان ادا'' کو ایک تہذیبی علامت کے طور پر پیش کیا۔ لکھنؤ میں طوائف ایک جدا گانہ دبستان تھی۔ طوائف جاگیردارانہ نظام کا اہم ترین حصہ تھی۔

طوائفیں شستہ زبان بولتیں لب و لہجہ کی نزاکتوں میں طاق ہوتیں۔ انسانوں کے مرتبہ و منزلت اور مذاق کی پہچانتیں اور نوابین کے بچوں کی تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہوتا۔ شریف زادے ان کے کوٹھوں پر آداب موسیقی سیکھنے اور تہذیب کی تکمیل کے لئے جاتے تھے۔ ان کے کوٹھوں پر نہ صرف فنون لطیفہ از قسم رقص اور موسیقی کا درس دینے والے آتے بلکہ دینی تعلیم دینے کے لئے علماء دین بھی آتے تھے۔ طوائفیں گھر بیٹھے اپنی موسیقی رقص و سرور اور حسن فروشی ہی سے لوگوں کو محظوظ نہیں کرتی بلکہ یہ لکھنؤ کی پوری زندگی میں دخیل ہیں۔

''برجیان اور مور'' کی لاجی بائی تقسیم کے بعد یہاں آتی ہے۔ لاجی بائی کے بارے میں طرح طرح کی افوائیں مشہور تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ مہاراج کی درباری گائکہ تھی۔ کسی نے مشہور کر رکھا تھا کہ نوعمری کوئل کی طرح کوکتی تھی۔ پھر کسی نے سندور کھلا دیا۔ آواز بیٹھ گئی لاجی کو ان افواہوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ افسانے میں ایک اور اہم کردار مظہر علی خاں کا ہے۔ جو بینک میں افسر تھے۔ اور لاجی کے پرستاروں میں سے تھے۔ اگرچہ لاجی نے تقسیم کے بعد گانا چھوڑ دیا تھا مگر اس کے اندر وضع داری قائم اور باقی ہے۔ مظہر علی خاں جب لاجی کو پرانا دور یاد کرواتے ہیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

''لاجی صاحب سختی سے اپنے منہ پر ہاتھ جمائے بیٹھی مظہر میاں کی باتیں سن رہی تھیں۔ انہوں نے لیلا بائی اسیر گڑھ والی کہا تو لاجی نے چہرے پر ایک ہاتھ پھیر کر بے آواز دہرایا لی لا۔ فلیٹ میں سناٹا

تھا میں دیوار سے ٹکا سب سن رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے لاؤنج میں
سامنے کسی گزرے زمانے کی میت رکھی ہے۔'' (۲)

اس اقتباس سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی تہذیب کو کہیں دفنا کے آئی۔ کیونکہ اب اس کے فن کے قدر دان نہیں ہیں۔ اور مظہر علی خاں کی صورت میں اسے اپنے فن کا قدر دان ملتا ہے۔ تو اسے فلیٹ پر آنے کو پھر کہتی ہے۔

افسانے میں جاوید کا کردار بھی اہم ہے ''برجیاں اور مور'' کے علاوہ اور بھی بہت سی کہانیاں ہیں جو جاوید کے زاویہ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ جاوید ان کہانیوں میں راوی کا کردار ادا کرتا ہے۔ جو نہ تو طوائفوں کے خلاف ہے اور نہ ہی کسی طور چکلے کی آمدنی سے مستفیض ہوتا ہے۔ وہ ان کہانیوں کے افسانوی ماحول میں آزادی سے گھومتا پھرتا ہے اور بہت کم دخل اندازی کرتا ہے۔

''سے لون'' کا مرکزی کردار ''ہدا اُستاذ'' ہے۔ اس افسانے کا راوی بھی جاوید ہی ہے۔ اور طوائف لاجی صاحب ہدا اُستاد کی لکڑی کی ٹال ہے۔ اس کے علاوہ لوگ اپنی امانتیں بھی ان کے پاس رکھواتے تھے۔ لیکن پاڑے کی عورتوں کو ہدا اُستاد سخت ناپسند کرتے تھے۔

افسانے میں مرشد کا کردار بھی ہے یہ مرشد محنت کش طبقے سے تعلق رکھتا ہے، ۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے عقیدت مندوں کو بڑے حقیقت پسندانہ مشورے بھی دیتا ہے۔ اور کوٹھے کے سامنے اپنا سیلون کھولتا ہے۔ اُستاد اسکا مرید بن جاتا ہے۔ لیکن اچانک مرشد سیلون چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور کوئی اور اسے خرید لیتا ہے۔ اُستاد اب گانے والیوں سے نفرت نہیں کرتا۔

ان کرداروں کے ذریعے ان روایات اور اقدار کو تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں جو اب ہمارے معاشرے میں مفقود ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے افسانے طوائف کی محبت، معاشرے میں ان کا مقام اور ان کی داخلی زندگی کی ہل چل بڑی مہارت سے پیش کی ہے۔ ان کے دکھ درد اور مجبوریوں کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ اور طوائف کی زندگی اپنے تمام رنگوں اور رعنائیوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ جس میں تلخیاں بھی ہیں اور جذباتی رنگ کی خوشیاں بھی۔ لاجی طوائف کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ جس کا دل انسانیت کی خدمت سے لبریز ہے۔ جو محبت دیتی ہے اور جسے محبت کی تلاش بھی ہے۔ دونوں افسانوں کے کرداروں میں بھی مماثلت ہے۔ راوی کا کردار جاوید ہی ادا کرتا ہے۔ جو کوٹھے پر ملازم ہے۔

اسد نے طوائف کے موضوع پر بہت زیادہ تو نہیں لکھا لیکن جو بھی لکھا اس میں کہیں بھی تلذذ کا شائبہ نہیں۔ کیونکہ ان کا مقصد ذہنی ہیجان برپا کرنا نہیں بلکہ ہمیں طوائفوں کی زندگیوں کے بارے میں آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ طوائف کو ہمیشہ جنسی تسکین اور دل لگی کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ منٹو نے طوائف کو مظلوم دکھا کر بیشتر اس سے ہمدردی کے جذبات ابھارے ہیں۔ منٹو کے افسانے میں طوائف کا ہر جائی

روپ بہت کم سامنے آتا ہے۔ بلکہ ایسی عورت نظر آتی ہے جو زمانے کی ستائی ہوئی اور ستم رسیدہ ہے۔اسد کے افسانوں میں طوائف زندگی میں عام انسانی معاملات پورے کرتی ہے اور عام فرد کی طرح معاشرے میں زندگی گزارتی ہے۔

''برجیاں اور مور'' میں مظہر علی خاں ایسا کردار ہے جو فن کا بہت قدر دان ہے اور ساتھ یہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ آج بھی ہزاروں لاکھوں لوگ ان فنون کی قدر کرتے ہیں۔مگر معاشرے کی حد بندیوں اور مجبوریوں کی وجہ سے ان فنون سے دور ہیں اور ''سے لون'' میں مرشد کے کردار سے بھی عکاسی ہوتی ہے کہ وہ ابھی طوائفوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اسد محمد خاں کی کہانیاں ایک خاص معاشرتی مینر ازم اور ثقافت کی نقاب کشائی کرتی ہیں۔ رہن سہن، عادات واطوار، طور طریقے، ایک دوسرے سے برتاؤ، انداز گفتگو، بول چال، اور اردگرد کی صورتحال اور ماحول سے مل جل کر ایک تصویر بنتی ہے جس سے ایک مخصوص تاثر ابھرتا ہے۔یعنی ایک خاص عہد کی ثقافت، تہذیب سے آشنائی ہوتی ہے۔

''ایک میٹھے دن کا انت'' بھی طوائفوں کے حوالے سے لکھی گئی کہانی ہے۔ راوی کہانی کے بہت سے واقعات کو ری کال کرتا ہے۔ جسے وقت نے بدل دیا۔ وقت نے بے نگی ناکو بیگم در شہوار نصیر بنا دیا۔ رانی کو بدل دیا۔ اور وہ اب ماریا ڈی سوزا ہے۔لمڈے رفیق کو رضی جرمن بنا دیا۔ اور خانم مالیر کوئلے والی اس دنیا سے چلی گئی۔ خانم مالیر کی وفات کے ساتھ ہی کوٹھا اجڑ جاتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار نگینہ کا ہے۔ اُسے گانا سیکھنے کے ساتھ ساتھ پڑھنے کا بھی شوق ہے۔ اُستاد نوازش علی گانا سکھانے کے ساتھ ساتھ نگینہ کی فرمائش پر اسے دوسری کتابوں کی تعلیم بھی دینا شروع کر دی۔ لیکن خانم مالیر کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اُسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ اب یہ کمبخت کوٹھے پر سکول کھولے گا۔ لیکن نگینہ کی ضد کے آگے اسکی ایک نہ چلی۔

اسد محمد خاں بتانا چاہ رہے ہیں کہ طوائف کے اندر بھی عورت چھپی ہوتی ہے۔ اور وہ بھی عام عورتوں کی طرح زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ افسانے کی خاص بات یہ ہے کہ اس سے کوٹھے والیوں کا رکھ رکھاؤ اور ان کی ریت رسم سے آشنائی ہوتی ہے۔ ان کے ماحول کی جزئیات ان کی نجی رسمیات سے آگاہی ہوتی ہے۔

> ''رجو نے پیسے لے لئے۔ دیدے گھما کر بولا۔ سلام کائے کو کہلوا رہی ہو۔ دعا دو دونوں عمر میں چھوٹے ہوں گے تم سے۔ ودی پلو سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ سر اُٹھا کر بولی ہوں گی کیا پاگلا! دونوں ہی عمر میں چھوٹے ہیں پر گن وان اور کلاونت اپنے کاموں سے بڑے ہوتے ہیں۔ حبیب خاں جس وعلے وینا وینا ہاتھ رکھ دیں یا اللہ رکھا خاں صاحب طبلے کو انگلیاں چھوا دیں تو سمجھو اس

ویلے سب کے بزرگ بن جاتے ہیں سمجھا کچھ؟ بس اب جا دفع ہو۔'' (۳)

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوٹھے والی خانم اُستادوں کی نیاز گزار رہی ہے۔لیکن ان کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو کوٹھے کے کلچر سے واقف ہوں۔اب جب کہ کوٹھوں سے تہذیب رخصت ہو چکی ہے۔اب تک وہاں یہ چلن باقی ہے کہ بڑوں کا احترام اور نذر نیاز کا نوں کی لویں چھو کر کیا جاتا ہے۔ یہ کسی آدمی کے فن کی قدر دانی ہوتی ہے۔ کیونکہ آدمی کی قدر و منزلت کسی اور رشتے میں نہیں بلکہ اس کے کمال فن میں مضمر ہوتی ہے۔مبین مرزا لکھتے ہیں:

''اسد محمد خان کے فن میں ہمیں اپنی ثقافتی اقدار کی ایسی متحرک تصویریں مل جاتی ہیں۔ جو اب معاشرے میں مفقود ہو چکی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسد محمد خاں نے ان تصویروں کو اچھائی اور برائی کے لیبل لگائے بغیر محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی فن کا اصل مقصد ہے۔'' (۴)

لیکن وقت خانم اور اس کی سب نوچیوں اور اس کہانی کے چھوٹے بڑے سب کرداروں کو سیڑھیوں سے اتارتا کہاں کہاں لے گیا۔اور کوٹھوں پر رات اُتر آئی۔اس نے جس طرح خانم کی نوچیوں کو دکھایا اور ان کے کمروں کو سجایا ہے اور پھر جس طور سے ان کے ملاقاتیوں کی آمد و رفت اور ان کے کمروں کی کیفیت بیان کی ہے اس کے تصور سے دم گھٹنے لگتا ہے۔انھوں نے اپنے فکر و فن کا مظاہرہ اپنے دور کی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ان کے موضوعات کی متضاد کیفیتیں ہیں۔ان کے افسانوں میں دنیا سمٹ کر آ گئی ہے۔

''مسئلہ یہ ہے کہ میں ان عام سے مگر غیر معمولی اور من موہنے لوگوں کو کوئی گرینڈ فنالے دینا چاہتا تھا۔ پر میں جانتا ہوں وقت جو اس کہانی کا ایک حاوی کردار ہے اس قدر بے بس جل کٹرا ہے کہ اپنے سوا کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تو وہی سب کی اسپاٹ لائٹ چینتھا، سب پر اپ سٹیجنگ کرتا، رنگ پنچ پر دندناتا رہتا ہے۔۔۔۔ بس وہی دندناتا رہے گا۔'' (۵)

''نصیبوں والیاں'' کا موضوع بھی طوائف ہے۔کہانی کا آغاز ودی بائی کی وفات سے ہوتا ہے۔ودی کی وفات کے بعد اسکی نوچیوں کو کس قسم کے مالی اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس افسانے میں جو چیز واضح طور پر نظر آتی ہے۔وہ ان عورتوں کی بے بسی ہے۔جو اپنے نام نہاد رکھوالوں کے ہاتھوں بے دردی سے استحصال کا شکار ہوتی ہے۔ودی کی تجوری کی چابی جس میں اسکی نوچیوں کے

زیور وغیرہ ہوتے ہیں ودی کے بھائی کے سپرد کی جاتی ہے لیکن جب بشیر نے تجوری کھولی تو اس میں سے کچھ سکے اور کچھ چاندی کے زیور نکلے۔ سب نے چیختی آواز میں کہا کہ ہمارا سامان کہاں گیا۔ ہمارے پیسے کدھر ہیں۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

''ممند ریاض نے چھوٹی سی نقلی ڈکار لی .....لو جی تجوری خالی پئی اے۔ تے ودی ایدر کوئی نہیں اولے! پر ودی نے ودی اللہ جانتا ہے، ایہوئی ٹھے ٹرکر ناسی! پھر اس نے کچھ کڑوے پن کچھ ہم دردی میں سوچا ساری بندگی اناں گشتیوں، نصیباں والیوں نے واہ کرا کرا کے پے ہا کٹھا کیتا سی۔ تے ہن لو جی تجوری خالی پئی ہے بل کل خالی.....آل لے.....اودل لے۔''(۶)

''نصیبوں والیاں'' کے سارے کردار وہی ہیں جو''ایک میٹھے دن کا انت'' کے ہیں۔ اسد نے ایک ہی کوٹھے کے ذریعے دو کہانیاں تشکیل دیں ہیں۔ ان افسانوں میں نہ صرف زندگی کی تلخیاں اور مجبوریاں پائی جاتی ہیں بلکہ معاشرے میں پائی جانے والی برائیاں اور کمزوریاں بھی جس کے ذمہ دار افراد ہیں۔ ان کے افسانوں میں کسی خاص تہذیب کی تلاش کی جائے تو وہ مشکل ہے۔ کیونکہ ان افسانوں میں تمام تہذیبی رنگ ہیں۔ جو اس کرہ ارض پر بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ ان تمام رنگوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے تار و پود رگ و ریشہ سب ان کی نگاہ میں ہوتے ہیں۔

ان کے افسانے انسان اور زندگی اور معاشرے کے بھرپور عکاس ہیں۔ وہ اپنے کردار کے باطن میں اتنی گہرائی سے اتر جاتے ہیں کہ شاید ہی کوئی کردار ان سے اجنبی رہ سکے۔ ان کا ہر افسانہ فنی پختگی لئے ہوئے ہے۔ انہوں نے کرداروں کی داخلی کیفیات کامیابی سے ظاہر کیں۔ ہر کردار اپنی انفرادی خصوصیات کے ساتھ قاری کے سامنے آتا ہے اور اس طرح اپنا نقش ذہن پر قائم کر جاتا ہے۔

اسد کو کرداروں کے عمل سے ہی سروکار نہیں ہے بلکہ وہ ان کرداروں کے عمل کے پیچھے کارفرما افکار و رجحانات، احساسات و کیفیات اور نظریات و محرکات کو بھی منعکس کرتے ہیں۔ ان کے یہ افسانے خوبصورت کردار نگاری، دلکش مکالموں، بہترین خاکہ نگاری اور طوائفوں کی زندگی کی بہترین انداز میں ترجمانی کے اعتبار سے منفرد و ممتاز ہے۔ ان افسانوں میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو اجاگر کیا گیا ہے کہ مفلسی میں یہ عورتیں کس طرح امارت پسندوں کی ہوس کا شکار بنتی ہیں۔ ان افسانوں میں اسد نے کوٹھے والیوں کے رسم و رواج، آداب و قوائد، مشاغل و معمولات اور عقائد و رجحانات کی بڑے دلچسپ انداز میں تصویر کشی کی ہے۔ اگرچہ کوٹھوں پر انہیں زندگی کی ہر سہولت اور آسائش میسر ہوتی ہے روپے پیسے کی ریل پیل ہے۔ چاہنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کی زندگیوں میں کتنا کرب ہے کتنی آسودگی ہے اور کیسی کیسی حسرتیں ہیں۔ کتنی تمنا ہے ایک متاہل زندگی کی اور گھر گرہستی کی۔

ان افسانوں میں اسد کا مشاہدہ بہت عمیق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے تجربات بھی بہت وسیع ہیں۔ انھوں نے ان کہانیوں میں طوائف کی انفرادی زندگی کا مکمل اور مربوط مطالعہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے ماحول اور اپنے سماج کی اردگرد کی زندگی کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ان کہانیوں میں برتا ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے انسانی معاشرے اور طوائفوں کے مالی، معاشرتی، حقیقی زندگی کے مسائل اور ان کے ساتھ معاشرے کا منفی سلوک اور ان کی بے بسی کی پُر تاثیر انداز میں عکاسی کی ہے۔

ان افسانوں میں ہمارے معاشرتی اور سماجی نظام پر ایک گہرا طنز بھی ہے۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام میں جکڑا سماج اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے مجبور عورتوں کو غلاظت میں دھکیل دیتا ہے۔ ان کے نزدیک طوائف حقیر اور ناقابلِ التفات ہے۔ اسد نے ان افسانوں میں طوائفوں کی مجبور اور لاچار زندگی کی عکاسی کرنے کے علاوہ سرمایہ داروں کی طوائف پرستی اور عیاشی کو بھی واضح کیا ہے۔ انھوں نے معاشرے کی تفہیم کرتے ہوئے زندگی کے بے شمار منطقوں کی نشاندہی کی ہے جس سے ان کے تخلیقی شعور کا ارتفاع ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مظہر جمیل، سید، اسد محمد خاں کا جہان فن، مشمولہ: مکالمہ، شمارہ ۱۰، ترتیب: مبین مرزا، کراچی: اکادمی بازیافت، جنوری تا جون ۲۰۰۳ء

۲۔ اسد محمد خاں، جو کہانیاں لکھیں، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۸۵

۳۔ ایضاً، ص: ۲۸۹

۴۔ مبین مرزا، نئی زمین نئے آسمان تراشتا ہوں، مشمولہ: جو کہانیاں لکھیں، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۴

۵۔ اسد محمد خاں، جو کہانیاں لکھیں، ص: ۲۸۵

۶۔ ایضاً، ص: ۲۳۹

☆.....☆.....☆